Al-Behishat Research Archive
ISSN Online: 3006-5224
ISSN Print: 3006-5216

Publisher: Al-Behishat Education & Research Institute
Journal Frequency: BI-Annual

The Formation of Cultural Thought in Literature: An Expressive Critical Review

ادب میں تہذیبی فکر کی تشکیل: تخلیقی اظہار کا تنقیدی جائزہ

ڈاکٹر اسد محمود خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اردو منہاج یونیورسٹی، لاہور .assadphdir@gmail.com

Al-Behishat Research Archive

https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

Abstrcat

This paper critically examines how literature contributes to the formation and reflection of cultural consciousness through creative expression. Cultural thought is not merely a passive inheritance but an active, evolving discourse shaped by historical experiences, collective values, and artistic insight. Literature, as both a mirror and molder of civilization, encapsulates the emotional, ethical, and intellectual responses of societies to their cultural realities. Through various genres—especially fiction and poetry—writers engage in a complex dialogue with their traditions, histories, and emerging global influences. This study highlights how literary texts serve as a dynamic space where cultural identities are contested, affirmed, or reimagined. Special focus is placed on the symbolic, thematic, and narrative strategies authors employ to articulate their socio-cultural concerns. The paper argues that literature is not just a product of culture but an agent that reshapes and redefines it in every era.

Key Words: Culture, Literature, Identity, Creative Expression, Tradition, Modernity, Critical Discourse

(مُلَخَّص)

یہ مقالہ اس تنقیدی جائزے پر مبنی ہے کہ تخلیقی ادب تہذیبی شعور کی تشکیل اور اس کے اظہار میں کس طرح کردار ادا کرتا ہے۔ تہذیبی فکر کوئی جامد ورثہ نہیں بلکہ ایک متحرک فکری عمل ہے جو تاریخ، اقدار اور تخیل کی روشنی میں مسلسل تشکیل پاتا ہے۔ ادب معاشرتی تجربات، روایتی شعور اور عصری تبدیلیوں کے درمیان ایک فکری پل کا کام کرتا ہے۔ فکشن اور شاعری کے مختلف نمونوں کے ذریعے تخلیق کار اپنے ماحول، ثقافت، اور عصری مسائل کے ساتھ تخلیقی مکالمہ کرتے ہیں۔ یہ مطالعہ ان علامتی، موضوعاتی، اور بیانیاتی طریقوں کو واضح کرتا ہے جن کے ذریعے ادیب اپنی تہذیبی شناخت کو نہ صرف محفوظ بلکہ نئے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ تحقیق کا مقصد یہ اجاگر کرنا ہے کہ ادب صرف تہذیب کا عکس نہیں بلکہ اس کی تشکیلِ نو کا ایک فعال ذریعہ بھی ہے۔

کلیدی الفاظ : تہذیب، ادب، شناخت، تخلیقی اظہار، روایت، جدیدیت، تنقیدی مکالمہ

ادب میں تہذیبی فکر کی تشکیل: تخلیقی اظہار کا تنقیدی جائزہ

(1)

تہذیب ایک جامع اور ہمہ گیر تصور ہے جو کسی معاشرت کی داخلی روح، فکری ہم آہنگی، اور باہمی ربط و ضبط کا اظہار کرتی ہے۔ کسی بھی معاشرت میں انسان کا اپنی مٹی سے محبت، اپنے رشتوں، تعلقات، اور وابستگیوں سے جڑے رہنے کا جذبہ اس تہذیب کی معراج قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ وہ باطنی کیفیت ہے جو ایک فرد کو اس کے گرد و پیش سے جوڑ کر ایک بڑی اجتماعی وحدت کا حصہ بناتی ہے۔ تہذیب محض رسوم و رواج یا ظاہری فنون کا مجموعہ نہیں، بلکہ یہ انسانی شعور، احساس، اقدار، اور روایتی و فکری اثاثے کا ایسا امتزاج ہے جو انسان کے انفرادی کردار اور اجتماعی وجود کو بامعنی بناتا ہے۔ یہ شعور فرد کو یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ کسی مخصوص سرزمین، مخصوص تاریخی تسلسل، روایت، یا اقدار سے جڑا ہوا ہے، اس کا وجود محض مادی نہیں بلکہ فکری و جذباتی وابستگیوں سے مرکب ہے۔ جب افراد کسی مخصوص معاشرے میں ایک جیسے جذبات، تجربات، زبان، کلچر، اور سماجی اصولوں میں سانس لیتے ہیں، تو ایک گہرا ربط اور ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے، جو ان کی روزمرہ زندگی، میل جول، تہواروں، ادبی اظہار، اور روایتی رویوں میں نمایاں ہوتی ہے۔ یہی ربط، جب جذباتی، فکری اور روحانی سطحوں پر جا کر فرد کے احساسِ وابستگی کو گہرا کر دیتا ہے، تو تہذیب اپنی اعلیٰ ترین شکل اختیار کرتی ہے۔ تہذیب اس وقت اپنے عروج پر ہوتی ہے جب معاشرے میں فرد کا تعلق صرف رشتوں کی بنیاد پر نہ ہو، بلکہ اقدار، رویوں، اور فکری ہم آہنگی پر استوار ہو۔ جب انسان صرف اپنی ذات نہیں بلکہ ایک اجتماعی شعور کا ترجمان بن جائے، تو یہی مرحلہ تہذیبی شعور کی معراج ہے۔ یہ شعور روایات کو بے جان تقلید نہیں بننے دیتا بلکہ انہیں معنویت، تنوع اور جاری فکری مکالمے کا حصہ بنا دیتا ہے۔ ایک مہذب معاشرہ وہی ہوتا ہے جہاں مٹی سے محبت ایک فطری وابستگی ہو، رشتہ داریاں اور تعلقات صرف سماجی تقاضے نہ ہوں بلکہ ایک روحانی بندھن کا درجہ رکھتی ہوں، اور جہاں انسانی وجود کے تمام رنگ مل کر ایک ہم آہنگ سماجی و فکری فضا پیدا کرتے ہوں۔ تہذیب، درحقیقت، ایک ایسا فکری و جذباتی سانچہ ہے جس میں انسان اپنی شناخت، وابستگی، مقصد، اور مقام کو دریافت کرتا ہے۔ یہی شعور، یہی وابستگی، اور یہی ربط کسی معاشرت کو تہذیب کی طرف لے جاتے ہیں، اور یہی تہذیب اس معاشرے کی پہچان، طاقت، اور اندرونی حسن بن کر سامنے آتی ہے۔

تہذیب کی تعریف و تفہیم کا باب سمیٹتے ہوئے، سید احتشام حسین (1) لکھتے ہیں:

"جب ہم 'تہذیب' کا لفظ استعمال کرتے ہیں، تو اس سے مراد کسی قوم یا ملک کی
داخلی و خارجی زندگی کے وہ تمام نمایاں اور مشترک پہلو ہوتے ہیں جو اس قوم کی

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

شناخت کا ذریعہ بنتے ہیں، جنہیں وہاں کے لوگ قدر و افتخار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور جن کی بنیاد پر وہ عالمی سطح پر ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔"

سید معین الحق(2) رقمطراز ہیں:

"ت ہذیب اس سوچ، طرزِ حیات اور ترجیحی معیار کا نام ہے جو کسی انسانی گروہ کی فکری و جذباتی دنیا کو متاثر کرتا ہے، اور جس کے زیرِ اثر وہ مختلف ممکنات میں سے ایک مخصوص طرزِ زندگی کو اختیار کر لیتے ہیں۔ "

تہذیب ایک کثیر المعنی اور گہرے مفہوم کی حامل اصطلاح ہے جسے محدود جغرافیائی، نسلی یا قومی دائروں میں قید کرنا ممکن نہیں۔ جب ہم "تہذیب" کی بات کرتے ہیں تو دراصل ہم ایک ایسے ارتقائی شعور کا ذکر کر رہے ہوتے ہیں جو فرد کی انفرادی شخصیت اور اجتماعی کردار دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ تہذیب محض کسی خاص قوم یا علاقے کی نمائندگی نہیں کرتی بلکہ یہ ایک زندہ، متحرک اور ارتقائی شعور کا اظہار ہے جو نسلوں، زمانوں اور فکری دائروں سے گزرتا ہوا مسلسل تشکیل پاتا ہے۔ یہ شعور انسانی زندگی کے ان تمام دائروں میں کارفرما ہوتا ہے جہاں رشتے، اقدار، اور رویے ترتیب پاتے ہیں۔ انسان جب محض نسب یا جغرافیے سے آگے بڑھ کر کسی دوسرے انسان سے دل کی ہم آہنگی، فکر کی مماثلت اور اقدار کی یکجائی کی بنیاد پر جڑتا ہے، تو یہ تعلق تہذیبی شعور کی بلند ترین سطح پر جا پہنچتا ہے۔ تہذیب کی یہ سطح صرف رشتہ داری یا قبیلائی نسبتوں سے بلند ہو کر ایسے احساس کی صورت اختیار کرتی ہے جہاں انسان اپنے آپ کو ایک بڑی انسانی برادری کا حصہ محسوس کرتا ہے۔ یہی شعور خاندان، محلہ، شہر اور قوم سے گزرتے ہوئے عالمی سطح تک پھیلتا ہے۔ یہ وسعت اس وقت ممکن ہوتی ہے جب ایک فرد اپنے اندر وسعتِ نظر، برداشت، اور فکری گہرائی پیدا کرتا ہے، اور اپنی تہذیب کو محض مقامی نہیں بلکہ عالمی تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ رسم و رواج، تہوار، زبان، لباس، طرزِ تعمیر، ادب، موسیقی، مصوری، اور دیگر ثقافتی مظاہر وہ ظاہر بین اجزاء ہیں جنہیں ہم عمومی طور پر تہذیب سے منسلک کرتے ہیں۔ مگر در حقیقت یہ تمام مظاہر اُس داخلی تربیت اور شعور کے بیرونی عکس ہیں جو فرد کے اندر پرورش پاتا ہے۔ اصل تہذیب وہ ہے جو انسان کے رویوں، اخلاقیات، برداشت، اور دوسروں کے لیے احترام میں جھلکتی ہے۔ جب کوئی معاشرہ صرف ظاہری تہذیبی مظاہر پر فخر کرتا ہے مگر اس کے افراد کے اندر فکری سطح پر کم ظرفی، تعصب، اور عدم برداشت کا غلبہ ہو تو ایسی صورت میں تہذیب محض ایک خول بن کر رہ جاتی ہے، جس کے اندر روح نہیں ہوتی۔

ٹی ایس ایلیٹ(3) رقمطراز ہے:

"تہذیب کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ وہ شے ہے جو زندگی کو جینے کے قابل بناتی ہے، کیونکہ یہ ان اقدار، نظریات اور اظہار کے طریقوں کا مجموعہ ہے جو انسانی وجود کو معنویت بخشتے ہیں۔ یہ محض بقا کو ایک بامقصد تجربے میں بدل دیتی ہے، جہاں حسن، فکر اور باہمی تعلق پروان چڑھتے ہیں۔"

اکیسویں صدی نے دنیا کو جس تیزی سے بدلا ہے، اُس نے تہذیبی شعور کو بھی ایک نئی جہت دی ہے۔ جہاں ماضی میں تہذیب کو عموماً کسی قوم یا خطے کے مخصوص جغرافیائی، لسانی، مذہبی، اور تاریخی سیاق و سباق میں سمجھا جاتا تھا، وہاں اب یہ تصور محدود سرحدوں سے آزاد ہو کر زیادہ جامع، پیچیدہ، اور کثیر الجہتی صورت اختیار کر چکا ہے۔ جدید دور میں تہذیب صرف ماضی کا ورثہ یا ثقافتی روایت نہیں رہی، بلکہ یہ ایک متحرک، تغیر پذیر اور باہمی ربط سے جُڑی ہوئی حقیقت بن چکی ہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ نئی جہتیں اختیار کر رہی ہے۔ اب تہذیب کا مطالعہ صرف تاریخی تناظر میں نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اسے سائنسی، فکری، نظریاتی اور بین الاقوامی پس منظر میں بھی پرکھنے کی ضرورت ہے۔ ٹیکنالوجی کی بے مثال ترقی، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی رسائی، اور ڈیجیٹل روابط نے دنیا کو ایک "عالمی گاؤں" میں تبدیل کر دیا ہے۔ معلومات کی تیز رفتار ترسیل، ثقافتوں کا اختلاط، اور زبانوں و روایات کا تبادلہ اس تیزی سے ہو رہا ہے کہ فرد کی شناخت محض اس کے علاقے یا مذہب سے نہیں بلکہ اس کی فکری ساخت اور عالمی شعور سے بھی جُڑنے لگی ہے۔ اس نئی دنیا میں فرد صرف ایک قوم کا نمائندہ نہیں بلکہ ایک "عالمی شہری" ہے جو مختلف معاشرتوں، ثقافتوں، اور نظریات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ان سے اثر پذیری کا عمل جاری رکھتا ہے۔ اس نئے عالمی منظر نامے میں تہذیبی وابستگی کا مطلب بھی از سرِ نو متعین ہو رہا ہے۔ اب صرف اپنے وطن یا زمین سے جذباتی لگاؤ ہی کافی نہیں، بلکہ اصل تہذیب اُس شعور کا نام ہے جو انسان کو ہر قوم، ہر رنگ، ہر نسل، اور ہر ثقافت کے ساتھ ایک ربط اور احترام کے تعلق میں جوڑتا ہے۔ یہ وہ وابستگی ہے جو سرحدوں سے بالا ہو کر انسانیت کے مشترکہ سرمائے، افکار، اور اقدار سے جُڑنے کی دعوت دیتی ہے۔ گویا تہذیب اب "انسانی یکجہتی" کے اس تصور کی نمائندہ بن چکی ہے جس میں اختلافات کو تصادم کے بجائے مکالمے، رواداری، اور اشتراک کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔

شیخ ظہور عالم (4) لکھتے ہیں:

> "ہر قوم کی تہذیب اس کے اجتماعی تجربات اور اقدار کا نچوڑ ہوتی ہے، جو سیکھنے کے بعد نسل در نسل منتقل ہوتی ہے۔ یہ تہذیب ایک قومی ورثہ بن کر قوم کی شناخت کا حصہ بنتی ہے، اور جس قوم کے پاس اپنی تہذیب ہو، وہی باادب اور باشعور کہلاتی ہے۔"

تہذیب کا جوہر اسی وقت قائم رہتا ہے جب وہ انسان کی داخلی تربیت اور خارجی رویوں کے امتزاج سے پیدا ہو۔ اس امتزاج میں فرد کا کردار بنیادی ہوتا ہے، کیونکہ وہی معاشرہ تہذیب یافتہ کہلا سکتا ہے جہاں فرد اپنی ذات سے باہر نکل کر اجتماعیت کا حصہ بنے، دوسروں کی قدر کرے، اور فکر و احساس میں ہم آہنگی کو فروغ دے۔ یوں تہذیب ایک مسلسل جاری رہنے والا مکالمہ بن جاتی ہے جس میں ہر فرد شریک ہوتا ہے، اور ہر دور اس میں اپنا رنگ شامل کرتا ہے۔ آج جب مختلف ثقافتیں ایک دوسرے کے ساتھ مسلسل رابطے میں ہیں، تو تہذیبی تصورات بھی محض ایک قوم یا طبقے تک محدود نہیں رہے۔ کثیر الثقافتی معاشروں (multicultural societies) نے ایسی فضا پیدا کر دی ہے جہاں متنوع تہذیبی پس منظر رکھنے والے افراد ایک ساتھ رہتے، سیکھتے اور اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں تہذیب اب صرف اپنی روایت کا دفاع نہیں بلکہ دوسروں کی روایت کو سمجھنے، قبول کرنے، اور اس سے

سیکھنے کا نام ہے۔ایسے میں تہذیب ایک مسلسل مکالمے، غور و فکر، اور ہم آہنگی کی فضا میں پروان چڑھتی ہے۔اس ساری تبدیلی کا اثر صرف فلسفیانہ یا فکری سطح پر نہیں بلکہ روزمرہ زندگی، ادب، فنونِ لطیفہ، تعلیم، معیشت، اور سیاست تک بھی پہنچ چکا ہے۔ نئی نسلیں اب ایک ہی وقت میں کئی تہذیبی حوالوں سے واقف ہو رہی ہیں، اُن کے آئیڈیل، اندازِ فکر، اور اظہارِ خیال کے طریقے بدل چکے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو صرف ایک ثقافت یا معاشرت کے نمائندے کے طور پر نہیں بلکہ عالمی تناظر میں اپنی پہچان ڈھونڈتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ تہذیبی شعور کی تشکیل نو کے عمل کو سمجھا جائے، اور اس کی وسعت، پیچیدگی، اور تغیر کو سنجیدگی سے اپنایا جائے۔ اکیسویں صدی نے تہذیب کو صرف ورثے یا ماضی کا باب نہیں رہنے دیا بلکہ اُسے حال اور مستقبل کے ایک زندہ مکالمے میں بدل دیا ہے، جہاں انسانیت کا مشترکہ شعور سب سے بڑی قدر بن چکا ہے۔

اکیسویں صدی میں تخلیقی ادب اور تہذیبی شعور ایک نئے فکری اور فنی مرحلے میں داخل ہو چکے ہیں۔ جہاں سیاسی و معاشی اشتراک نے دنیا کے مختلف معاشروں کو باہم جوڑ دیا ہے، وہیں ادب اور فنونِ لطیفہ نے بھی اپنی روایتی حدود کو عبور کرتے ہوئے بین الثقافتی (Intercultural) مکالمے کو جنم دیا ہے۔ موجودہ تخلیق کار نہ صرف اپنی تہذیبی وراثت کا نمائندہ ہے بلکہ ایک عالمی انسان طور پر بھی ابھرتا ہے، جو عالمی سطح پر درپیش فکری اور تہذیبی مسائل کو اپنے بیانیے (Narrative) کا حصہ بناتا ہے۔ آج کی تخلیق میں مہاجرت (Migration)، شناخت (Identity)، ماحولیاتی بحران (Climate Crisis)، صنفی امتیاز (Gender Discrimination)، مذہبی انتہا پسندی (Religious Extremism)، اور استعماری اثرات (Colonial Legacy) جیسے موضوعات مرکزی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ یہ موضوعات ادب کو صرف جمالیاتی اظہار (Aesthetic Expression) تک محدود نہیں رکھتے بلکہ اسے نظریاتی مکالمہ (Ideological Discourse) بنا دیتے ہیں۔ تخلیق کار کا قلم اب محض تفریح یا تخیلاتی فرار (Escapism) کے لیے نہیں بلکہ شعور کی بیداری اور تہذیبی تشکیل نو (Cultural Reconstruction) کے لیے متحرک ہے۔

ایڈورڈ سید(5) رقمطراز ہیں:

> "دانشور کا کردار اختیار کو مضبوط کرنا نہیں بلکہ تہذیبی مفروضات کو سمجھنا، ان کی تعبیر کرنا، اور ان پر سوال اٹھانا ہے، خاص طور پر اُن اوقات میں جب تہذیب کسی بحران سے گزر رہی ہو۔ "

نوآبادیاتی پس منظر میں لکھا گیا ادب تاریخی بیانیوں پر سوال اٹھاتا ہے، اور اپنے ثقافتی وجود (Cultural Identity) کی بازیافت کرتا ہے۔ اردو ادب میں بھی ان رجحانات کی جھلک واضح ہے، جہاں جدید افسانہ اور تنقید استعماری اثرات، قومی تشخص، اور فکری آزادی کے مباحث میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اسی ضمن میں تخلیق کار اپنے تجربے کو علامتی انداز میں پیش کرتا ہے، جو تہذیبی الجھنوں، نفسیاتی کشمکش، اور داخلی بحرانوں کی عکاسی کرتا ہے۔ صنفی شعور نے ادب کو نئی جہات عطا کی ہیں۔ عورت اب روایتی کرداروں سے ہٹ کر خود مختار وجود کے طور پر سامنے آتی ہے، جو مردانہ بالادستی (Patriarchy) کے خلاف آواز اٹھاتی ہے۔ نسوانی تنقید

نے ادب میں ایک نئے لسانی اور فکری تنوع کو جنم دیا ہے، جس سے تہذیب کے روایتی تصورات کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ماحولیاتی ادب (Eco-Literature)کے ذریعے تخلیق کار نے انسان اور فطرت کے درمیان تعلق پر دوبارہ غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ "اینتھروپوسین (Anthropocene) "کے اس عہد میں، جہاں انسانی سرگرمیوں نے قدرتی توازن کو بگاڑ دیا ہے، ادب اب ایک ماحولیاتی شعور (Eco-Consciousness) پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔در حقیقت، تخلیقی ادب ایک زندہ عمل (Living Process)ہے، جو تہذیب کو جمود سے نکال کر حرکت، تغیر، اور مکالمے (Dialogue) کا راستہ دیتا ہے۔یہ ادب تہذیب کو ایک مکمل وحدت (Integrated Whole) کے طور پر دیکھتا ہے جو مسلسل ارتقا پذیر ہے اور جو نئے تناظر میں خود کو نئی معنویت کے ساتھ متشکل کرتا ہے۔

چنوا اچیبے(6) لکھتا ہے:

"ادب انسان کی مسلسل کوشش ہے کہ وہ اپنے لیے اُس حقیقت سے ہٹ کر
ایک نیا نظامِ حقیقت تخلیق کرے جو اسے وراثت میں ملا ہو۔"

تہذیبی مباحث کی تازہ کاری نے دنیا کی مختلف زبانوں اور ادب میں نئی فکری تحریکوں کو جنم دیا ہے، اور اردو زبان و ادب بھی اس عالمی تبدیلی سے الگ نہیں رہا۔اردو ادب جو ابتدا ہی سے ایک ہمہ گیر اور کثیر الثقافتی (Multicultural) روایت کا حامل رہا ہے، اب اور زیادہ وسعت و گہرائی کے ساتھ اس فکری مکالمے میں شامل ہو رہا ہے۔اردو کی روایت صرف ایک زبان کی ترقی کی کہانی نہیں، بلکہ تہذیبی ہم آہنگی، بین المذاہب اشتراک، اور فکری تنوع کی بھرپور عکاس بھی ہے۔جدید اردو ادیب، شاعر اور مفکر اب صرف رومانوی یا قومی بیانیے تک محدود نہیں رہے، بلکہ ان کی تخلیقات میں عصرِ حاضر کے وہ عالمی مباحث بھی شامل ہو چکے ہیں جو تہذیبی شناخت، سماجی ناانصافی، اور فکری آزادی سے متعلق ہیں۔اردو ادب میں مابعد النوآبادیاتی تنقید، شناخت کا بحران، اور بین الثقافتی مکالمہ جیسے تصورات اب واضح طور پر نظر آتے ہیں۔یہ تبدیلی صرف موضوعات میں نہیں، بلکہ اسلوب اور زاویۂ نگاہ میں بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔اردو کا تخلیق کار اب اپنی ثقافتی جڑوں سے جڑے رہنے کے ساتھ ساتھ دنیا کے دیگر خطوں سے مکالمہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔اس کی تحریر میں اب علاقائی احساس کے ساتھ ساتھ عالمی شعور بھی شامل ہو چکا ہے۔وہ تہذیب کو جامد تصور کرنے کے بجائے ایک ارتقائی عمل سمجھتا ہے، جو مسلسل تبدیلی، مکالمے اور اشتراک سے گزرتا ہے۔اردو ادب میں یک ثقافتی (Monocultural)فکر کے برعکس اب کثیر الثقافتی (Multicultural) رجحان کو زیادہ پذیرائی مل رہی ہے۔یہ رجحان محض ادب کو وسعت نہیں دیتا بلکہ ایک نئی تہذیبی اخلاقیات کی تشکیل میں بھی کردار ادا کرتا ہے۔تخلیق کار اب صرف اپنے گرد و پیش کے مشاہدے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ دنیا کے بدلتے ہوئے مسائل جیسے کہ ماحولیاتی بحران، پناہ گزینی، صنفی مساوات، اور مذہبی ہم آہنگی جیسے موضوعات کو بھی تخلیقی بیانیے کا حصہ بنا رہا ہے۔نتیجتاً، اردو ادب نہ صرف ایک زبان کی نمائندگی کر رہا ہے بلکہ وہ ایک وسیع تر تہذیبی شعور کی علامت بنتا جا رہا ہے۔اس میں اب صرف ماضی کی جھلک نہیں بلکہ حال کا تجزیہ اور مستقبل کا امکان بھی شامل ہے۔یہی وہ تخلیقی وسعت ہے جو اردو ادب کو عالمی ادب کے ساتھ جوڑتی ہے اور اسے محض مقامی احساس کا اظہار نہیں بلکہ ایک عالمی فکری گفتگو کا

Al-Behishat Research Archive
https://al-behishat.rjmss.com/index.php/20/about

حصہ بناتی ہے۔

(2)

تخلیقی ادب اور تہذیب کے مابین مکالمہ نہایت پیچیدہ، گہرا اور کثیر الجہات (Multi-Layered) عمل ہے۔ یہ مکالمہ صرف الفاظ کا تبادلہ نہیں بلکہ ایک فکری، جذباتی اور تہذیبی اشتراک کا تسلسل ہے، جو تخلیق کار، قاری اور سماج کے درمیان برپا ہوتا ہے۔ تخلیقی ادب کا تہذیب سے یہ مکالمہ تین نمایاں سطحوں پر وقوع پذیر ہوتا ہے، جن میں ہر سطح اپنے اندر ایک الگ جہت رکھتی ہے۔ پہلی سطح وہ ہے جہاں تخلیق کار شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی تہذیب سے متاثر ہوتا ہے۔ اس کی تحریر میں جو زبان، اسلوب، موضوعات، یا علامتیں ابھرتی ہیں، وہ اس کے تہذیبی پس منظر کی عکاس ہوتی ہیں۔ یہ اثرات نہ صرف اس کی ذاتی تربیت، تجربات اور مشاہدات سے جڑے ہوتے ہیں بلکہ اس کی اجتماعی شناخت کا بھی حصہ ہوتے ہیں۔ یہی وہ ابتدائی سطح ہے جہاں تہذیب بطور خام مواد (Raw Material) تخلیقی عمل میں شامل ہوتی ہے۔ دوسری سطح زیادہ فکری اور تنقیدی نوعیت کی حامل ہوتی ہے۔ یہاں تخلیق کار محض تہذیبی حوالوں کا پیروکار نہیں رہتا، بلکہ وہ ان پر سوالات اٹھاتا ہے۔ وہ روایات، اقدار، اور سماجی ڈھانچوں کو صرف بیان نہیں کرتا بلکہ ان کے امکانات، تضادات اور اثرات کا تجزیہ بھی کرتا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں ادب محض ثقافتی نمائندگی سے آگے بڑھ کر ایک نظریاتی (Ideological) کردار ادا کرتا ہے۔ وہ استبداد، جبر، صنفی امتیاز، مذہبی تعصب یا طبقاتی ناہمواری جیسے مسائل کو تہذیبی نظام کا حصہ مان کر ان پر سوال اٹھاتا ہے۔ یوں ادب، تہذیب کی غیر متحرک شکل کو چیلنج کرتا ہے اور قاری کو فکر و نظر کی نئی جہتوں سے روشناس کراتا ہے۔ تیسری سطح سب سے زیادہ تخلیقی اور جدت آمیز ہوتی ہے۔ یہاں تخلیق کار نہ صرف تہذیبی مظاہر پر سوال کرتا ہے بلکہ ان مظاہر کو نئے معانی میں ڈھالتا ہے۔ وہ تہذیبی علامتوں، روایات اور استعاروں کو از سرِ نو تخلیق کرتا ہے، ان کا سیاق بدلتا ہے، اور انہیں ایک نئی فکری تشکیل دیتا ہے۔ اس سطح پر ادب تہذیب کے مروجہ سانچوں کو توڑ کر اس کی تشکیلِ نو (Reconstruction) کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ یہاں تخلیق کار صرف راوی نہیں رہتا بلکہ معمار بن جاتا ہے، جو نہ صرف ماضی کو سمجھتا ہے بلکہ مستقبل کے امکانات بھی وضع کرتا ہے۔ وہ تہذیب کو ایک جامد مظہر کے بجائے ایک متحرک اور ارتقائی (Evolutionary) تجربہ بنا دیتا ہے۔

ریمنڈ ولیمز (7) لکھتا ہے:

> "ادب میں تہذیب محض رسوم و رواج یا ظاہری اطوار کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عمیق فکری اور جمالیاتی عمل ہے جو معاشرتی شعور اور انفرادی احساسات کی تشکیل کرتا ہے۔ جہاں ماضی اور حال، روایت اور تجدد، اور مقامی و عالمی تجربے ایک دوسرے سے مکالمہ کرتے نظر آتے ہیں۔"

یہ تینوں سطحیں یعنی تاثیر، تنقید اور تخلیقِ نو؛ ادب کے تہذیبی شعور سے تعلق کو نہ صرف گہرا کرتی ہیں بلکہ قاری کو بھی اس فکری و جمالیاتی عمل میں شامل ہونے کی دعوت دیتی ہیں۔ جب قاری کسی تخلیق کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ محض الفاظ، جملوں یا بیانیے کا اسیر

نہیں رہتا، بلکہ وہ اس دنیا میں داخل ہو جاتا ہے جہاں تہذیبی اشارے، علامتی اظہار، اور فکری چیلنجز اس کے شعور کو متحرک کرتے ہیں۔ قاری کی یہ شمولیت محض ایک غیر فعال عمل نہیں ہوتی، بلکہ وہ بھی تخلیق کے تہذیبی مکالمے کا ایک فعال کردار بن جاتا ہے۔ قاری، تخلیق کار کے پیش کردہ سوالات سے نبرد آزما ہوتا ہے، بعض روایات کو رد کرتا ہے، بعض کو قبول کرتا ہے، اور بعض کے لیے نئی تاویلیں وضع کرتا ہے۔ تخلیق کار، قاری اور تہذیب کے درمیان یہ سہ جہتی (Triangular) تعلق ایک ایسا فکری و تہذیبی دائرہ قائم کرتا ہے جو کسی ایک وقت یا مقام تک محدود نہیں رہتا بلکہ مختلف زمانوں، جغرافیوں اور نظریات میں سفر کرتا ہے۔ یوں ادب ایک زندہ مکالمہ بن جاتا ہے، جو نہ صرف ماضی کے تجربات کا آئینہ دار ہوتا ہے بلکہ حال کے سوالات اور مستقبل کی جہتوں سے بھی مربوط رہتا ہے۔ یہی زندہ مکالمہ تخلیقی ادب کو ایک جامد ثقافتی شے کے بجائے ایک متحرک اور ارتقاپذیر عمل میں تبدیل کرتا ہے۔

ادب تہذیب کا صرف آئینہ نہیں، بلکہ اس کی تشکیلِ نو (Reimagination) کا بھی ایک موثر وسیلہ ہے۔ تخلیقی تحریر جب کسی روایت، استعارے یا معاشرتی سچائی کو نئے معنی میں پیش کرتی ہے، تو وہ اس روایت کو نئی زندگی عطا کرتی ہے۔ مثلاً، کسی دیہی کردار کو جدید معاشرتی پس منظر میں پیش کرنا، یا کسی قدیم لوک داستان کو جدید تہذیبی تنقید کے پیرائے میں بیان کرنا، یہ سب تہذیبی مکالمے کی وہ مثالیں ہیں جن میں تخلیق کار ماضی کو حال سے جوڑ کر ایک نئی فکری فضا تشکیل دیتا ہے۔ اس عمل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ کسی ایک "سچ" یا "نقطۂ نظر" پر اصرار نہیں کرتا، بلکہ اس میں تکثیریت، (Plurality) مکالمہ، اور سوال کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ یہی پہلو ادب کو انتہا پسندی سے بچاتا ہے اور تہذیب کو جمود کے بجائے ارتقا کی طرف لے جاتا ہے۔ تہذیب اگر صرف نقل، پیروی یا ماضی پرستی کا نام ہوتی تو شاید کبھی زندہ نہ رہ پاتی؛ لیکن ادب کے توسط سے جو مکالمہ برپا ہوتا ہے، وہ تہذیب کو نہ صرف زندہ رکھتا ہے بلکہ اسے نئی زندگی بخشتا ہے۔ یوں تخلیقی ادب اور تہذیب کے درمیان قائم یہ رشتہ محض فن اور ثقافت کی سطح کا نہیں، بلکہ ایک فکری، اخلاقی، اور روحانی تعامل کا مظہر ہے۔ جب کوئی ادیب، شاعر یا افسانہ نگار اپنی تحریر میں تہذیبی شعور کو جذب کرتا ہے اور پھر اسے قاری تک منتقل کرتا ہے، تو دراصل وہ ایک ایسی فکری زنجیر قائم کرتا ہے جس کی کڑیاں صدیوں تک جڑی رہتی ہیں۔ یہی وہ تسلسل ہے جو ادب کو تاریخ سے جوڑتا ہے، حال سے مربوط رکھتا ہے اور مستقبل کی سمت اشارہ کرتا ہے۔

فرحت اللہ انصاری (8) لکھتے ہیں:

> "ادب تہذیب کا جمالیاتی اور فکری اظہار ہے۔ یہ الفاظ کے ذریعے کسی قوم کی اقدار، احساسات اور رویّوں کو محفوظ کرتا ہے۔ تہذیب اگر جسم ہے، تو ادب اس کی روح ہے۔"

قاضی جمال حسین (9) رقمطراز ہیں:

> "تہذیب اور ادب کا رشتہ متعامل (interactive) اور متحرک ہے۔ ادب نہ صرف تہذیبی روایات کا آئینہ ہوتا ہے بلکہ ان پر سوال بھی اٹھاتا ہے۔ یہی مکالمہ ادب کو محض بیان سے بلند کر کے شعور کی سطح پر لے آتا ہے۔ "

ادب میں یہ کشمکش تخلیقی عمل کو گہرائی عطا کرتی ہے۔ جب تخلیق کار کسی روایت یا ثقافتی علامت پر سوال اٹھاتا ہے تو وہ محض انکار نہیں کرتا بلکہ اس کی نئی معنویت تراشتا ہے۔ اس طرح وہ قاری کو دعوت دیتا ہے کہ وہ بھی اس تہذیبی ورثے کو غیر فعال انداز میں نہ قبول کرے، بلکہ اسے تنقیدی بصیرت کے ساتھ دیکھے، سمجھے، اور نئے امکانات میں پرکھے۔ اس سطح پر ادب نہ صرف تہذیب کا آئینہ ہوتا ہے بلکہ اس کی تخلیقِ نو کا ایک موثر آلہ بھی بن جاتا ہے۔ بعض اوقات تخلیق کار غیر شعوری طور پر ایسے عناصر کا اظہار کرتا ہے جو براہِ راست اس کے تہذیبی پس منظر سے جڑے ہوتے ہیں۔ اس کے انتخابِ زبان، اسلوبِ بیان، استعمال شدہ علامات (Symbols)، یا طرزِ فکر میں وہ تہذیب بولتی ہے جس میں اس نے ہوش سنبھالا۔ یہ تمام تخلیقی اشارات، اُس ثقافتی ماحول، سماجی رویوں اور فکری سانچوں کے مظاہر ہوتے ہیں جن میں تخلیق کار نے پرورش پائی ہوتی ہے۔ یہاں ادب، لاشعور کی تہذیبی بازگشت (Cultural Echo) بن کر ابھرتا ہے۔ لیکن جب تخلیق کار شعوری سطح پر اپنی تہذیب کا تجزیہ کرنے لگتا ہے، اس کی خوبیوں، کمزوریوں اور تضادات کو موضوع بناتا ہے، تو وہ صرف ایک راوی نہیں رہتا، بلکہ ایک مفسر، ناقد اور کبھی کبھی مزاحم کردار اختیار کر لیتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ادب، تہذیب کے ساتھ ایک سنجیدہ مکالمے کی سطح پر داخل ہو جاتا ہے۔ اس نوعیت کے مکالمے میں تہذیب کو ایک غیر متبدل، مقدس اور حتمی نظام کے طور پر پیش کرنے کے بجائے ایک ایسی متحرک، مباحثاتی اور تنقیدی حقیقت کے طور پر دیکھا جاتا ہے، جو مسلسل تجدید اور تعبیر کے عمل سے گزر رہی ہو۔ یہاں تہذیب محض نقل یا تقلید نہیں، بلکہ فکری تشریح اور تخلیقی تخیل کی قابلِ سوال صورت بن جاتی ہے۔ یہ ادب ہی ہے جو اس تناظر میں تہذیب کو نہ صرف سمجھتا ہے بلکہ اسے تخلیقی طور پر تشکیل بھی دیتا ہے، بعض اوقات اسے دوبارہ متعین کرتا ہے اور بعض اوقات اس کی موجودہ شکل پر تنقید کرتے ہوئے اس کی ممکنہ صورتوں کا تصور پیش کرتا ہے۔ یوں ادب، تہذیب کی تصویب (Affirmation) یا تردید (Negation) کا کوئی جامد ذریعہ نہیں بلکہ اس کے مابین ایک فکری کشمکش کا مظہر ہوتا ہے۔ تخلیقی ادب کا یہی عمل اسے صرف ایک ادبی تجربہ نہیں بناتا بلکہ ایک فکری اور تہذیبی جدوجہد میں بدل دیتا ہے۔ اس جدوجہد میں نہ صرف لفظ اہم ہوتا ہے بلکہ اس کے پیچھے موجود تاریخ، سیاق، فکر اور امکان بھی اہم ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ مرحلہ ہے جہاں ادب محض تفریح یا جذباتی وابستگی کا ذریعہ نہیں رہتا، بلکہ تہذیبی بصیرت، اجتماعی شعور، اور مستقبل کی تعمیر میں فعال کردار ادا کرتا ہے۔

تخلیقی ادب اور تہذیب کے درمیان باہمی مکالمہ دراصل ایک ایسا فکری اور جمالیاتی سفر ہے جو فرد، معاشرہ، اور تاریخ کے مابین تعلقات کو نہ صرف دریافت کرتا ہے بلکہ انہیں نئے معنوی پیرائے میں بھی ڈھالتا ہے۔ ادب، جب تہذیب کے ساتھ مکالمہ کرتا ہے تو وہ محض روایات کی تکرار نہیں کرتا، بلکہ ان میں پوشیدہ انسانی اقدار، فکری تضادات، اور ثقافتی امکانات کو آشکار کرتا ہے۔ اس عمل میں تخلیقی فنکار صرف نقال یا مؤرخ نہیں ہوتا، بلکہ ایک فکری معمار کے طور پر تہذیب کو از سرِ نو ترتیب دینے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ماضی کے ورثے کو نہ صرف محفوظ کرتا ہے بلکہ اس پر سوال بھی اٹھاتا ہے، اس میں تبدیلی کی گنجائش تلاش کرتا ہے، اور موجودہ زمانے کے مسائل کے تناظر میں اس کا از سرِ نو مفہوم وضع کرتا ہے۔ تہذیب، جو بظاہر ایک مستحکم اور یکساں ڈھانچہ دکھائی دیتی ہے، دراصل ایک متغیر، مباحثاتی، اور ارتقائی حقیقت ہوتی ہے۔ تخلیقی ادب اس حقیقت کو نہایت باریکی سے دریافت کرتا ہے۔ وہ ایسے سوالات اٹھاتا

ہے جو بظاہر تسلیم شدہ تہذیبی معیارات کو چیلنج کرتے ہیں، جیسے اخلاقی اقدار، صنفی کردار، طبقاتی ساخت، یا مذہبی و ثقافتی رسمیات۔ یہ سوالات ادب کو صرف بیانیہ نہیں رہنے دیتے، بلکہ ایک فکری میدان میں تبدیل کر دیتے ہیں، جہاں قاری کو بھی شامل ہونا پڑتا ہے۔ اس طرح قاری، تخلیق، اور تہذیب کے درمیان ایک زندہ و متحرک مکالمہ قائم ہوتا ہے۔ یہی مکالمہ ادب کو اس کی زمانی و مکانی حدود سے نکال کر عالمی انسانی شعور سے جوڑ دیتا ہے۔ تخلیقی ادب کا یہ کردار اس وقت مزید تقویت اختیار کرتا ہے جب وہ محض مقامی مسائل سے نہیں بلکہ عالمی سطح کے انسانی تجربے سے مکالمہ کرتا ہے۔ تہذیبی سطح پر جب ادب مہاجرت، شناخت، جنس، ماحولیات، یا سیاسی جبر جیسے موضوعات سے رجوع کرتا ہے تو وہ ایک وسیع تر تناظر میں انسانی روح کی آواز بن جاتا ہے۔ یہ تخلیقی زبان صرف ایک خطے کی نہیں رہتی بلکہ ایک ایسی آفاقی زبان بن جاتی ہے جو مختلف تہذیبوں، ثقافتوں، اور اقوام کے درمیان ایک مشترک فکری رشتہ قائم کرتی ہے۔

مجموعی طور پر تخلیقی ادب اور تہذیب کا یہ مکالمہ کسی بھی معاشرے کی فکری بیداری، اخلاقی تجدید، اور روحانی ارتقاء کے لیے ناگزیر ہے۔ ادب صرف ماضی کا آئینہ نہیں بلکہ حال کا تجزیہ اور مستقبل کی تشکیل کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ نہ صرف تہذیب کا آئینہ دار ہے بلکہ اس کی تعبیرِ نو اور تخلیقِ نو کا محرک بھی ہے، جو ہر دور میں نئی معنویت، نیا وژن، اور نیا فکری سرمایہ فراہم کرتا ہے۔ یہی وہ متحرک اور تخلیقی طاقت ہے جو ادب کو ایک تہذیبی کارنامہ بنا دیتی ہے۔ اس فکری سفر میں ادب کا کردار محض مشاہداتی نہیں رہتا بلکہ وہ ایک تجزیاتی اور تخلیقی قوت اختیار کر لیتا ہے، جو نہ صرف تہذیبی تفہیم کو گہرا کرتا ہے بلکہ انسان کو اپنی ذات، اپنے معاشرے اور پوری انسانیت کے ساتھ ربط میں لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا تخلیق کار، اگر تہذیبی مکالمے میں وسعت پیدا کرنا چاہتا ہے تو اسے بین الثقافتی بصیرت، تاریخی شعور، اور انسانی تجربے کی آفاقیت کو اپنی تخلیق میں شامل کرنا ناگزیر ہے۔

حوالہ جات و حواشی:

(1) حسین، سید احتشام (1993ء)، "ادب اور تہذیب"، مشمولہ: ذوق ادب اور شعور، لکھنؤ، ادارہ فروغ اردو، ص 23۔

(2) معین الحق، سید (1986ء)، "تہذیبیں"، حصہ اول، کراچی، علی بک ڈپو، ص 18۔

(3) ایلیٹ، ٹی ایس (1984ء)، "Notes Towards the Definition of Culture"، لندن، فائبر اینڈ فائبر، ص 26۔

(4) عالم، شیخ ظہور (2022ء)، "تہذیب و ثقافت کا تصور اور اردو ادب"، مشمولہ: "اردو ریسرچ جرنل"، مدیر: عزیز اسرائیل، دہلی، نیٹیز نز فار ڈیولپمنٹ، ص 1۔

(5) سید، ای ڈبلیو (1994ء)، "Representations of the Intellectual"، ونٹیج کتب، ص 23۔

(6) اچیبے، چنوا (1975ء)، "Morning Yet on Creation Day: Essays"، ہینمین، ص 45۔

(7) ولیمز، ریمنڈ (1976ء)، "Keywords: A Vocabulary of Culture and Society"، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ص 87۔

(8) انصاری، فرحت اللہ (1987ء)، "ادب اور تہذیب"، دہلی، آزاد کتاب گھر، ص 56۔

(9) حسین، قاضی جمال (2012ء)، "اردو ادب کا تہذیبی اور فکری پس منظر"، حیدرآباد، اردو آرٹس کالج،، ص 23۔